سکندر جناح پیکٹ

تجزیاتی مطالعہ

محمد خورشید

تحریک خلافت (۱۹۱۹ء- ۱۹۲۳ء) کی ناکامی سے مسلمانان ہند کو مایوسی ہوئی کیونکہ سب کچھ قربان کرنے کے بعد کچھ نہ پانے کے احساس نے ان کے جذبہ عمل پر قدغن لگا دی تھی۔ اس موقعہ پر میاں فضل حسین (۱۸۷۷ء- ۱۹۳۶ء) اس جمود کو توڑنے کے لئے آگے بڑھے اور ان کی دعوت پر ۲۴ مئی ۱۹۲۴ء کو مسلم لیگ کا ایک خاص اجلاس لاہور میں منعقد ہوا، جس میں مسلمانوں کے تقریباً ہر مکتبہ فکر کے رہنماؤں نے شرکت[1] کی اور مسلمانوں کے مطالبات[2] کو نہایت جامع انداز میں پیش کیا۔ اس موقع پر یہ محسوس ہونے لگا تھا کہ مسلم رہنماؤں کے اختلافات ختم ہو گئے ہیں اور مایوسی و پژمردگی کے دور کے خاتمے کے بعد اب ایک نئے دور کا آغاز ہوا چاہتا ہے لیکن ایسا نہ ہو سکا۔ اختلافات کا آغاز مولانا محمد علی جوہر (۱۸۷۸ء- ۱۹۳۱ء) نے کیا جنہوں نے اجلاس کے اختتام پر دہلی میں اخبارات کو ایک بیان جاری کیا جس کا مفہوم یہ تھا کہ لاہور کے اجلاس نے مسلمانوں کے مطالبات کی صحیح ترجمانی نہیں کی۔ صحیح مطالبہ وہ تھا جو سبجیکٹس کمیٹی کی منظور شدہ قرارداد[3] میں پیش کیا گیا تھا۔ قائداعظم محمد علی جناح (۱۸۷۶ء- ۱۹۴۸ء) نے ایک جوابی بیان میں کہا کہ مولانا محمد علی جوہر کی رائے ایک فرد کی رائے ہے جماعتی فیصلہ وہی ہے جو لیگ کے کھلے اجلاس میں منظور ہوا۔ ہندوؤں کو مولانا کے بیان سے دھوکہ نہیں کھانا چاہئے۔[4] مولانا محمد علی جوہر نے جواب الجواب دے کر اس اختلاف کو مزید بڑھایا اور اس کے بعد مسلم رہنماؤں میں اختلافات کی خلیج روز بروز وسیع ہوتی چلی گئی۔

تجاویز دہلی[5] نے فرقہ دارانہ مسئلے کے حل کی ایک معقول بنیاد فراہم کر دی تھی۔ جس اجلاس میں ان تجاویز کی منظوری دی گئی اس میں میاں محمد شفیع (۱۸۶۹ء-۱۹۳۲ء) بھی موجود تھے، لیکن لاہور پہنچنے کے بعد انہوں نے یہ بیان دے دیا کہ انہیں ان تجاویز سے اتفاق نہیں۔ بعد ازاں فضل حسین اور علامہ محمد اقبال

(۱۸۷۷ء- ۱۹۳۸ء) دونوں اس مسئلہ پر محمد شفیع کے ہم نوا بن گئے۔ پنجاب کے ان تین بڑوں کے متحدہ محاذ نے مسلم قیادت کے اختلافات کو مزید بڑھایا اور پھر یہ مخالفت قراردادوں، جلسوں اور مظاہروں کے ذریعے ہونے لگی۔ یہ سلسلہ دوسرے صوبوں میں بھی شروع ہو گیا۔ چنانچہ کلکتہ، پٹنہ، مدراس اور دیگر کئی شہروں میں باقاعدہ ایک مہم کے ذریعے اس کے خلاف فضا تیار کی گئی حتیٰ کہ انگلستان کے اخبارات میں فضل حسین کے ایما پر چودھری ظفر اللہ خان (۱۸۹۳ء-۱۹۸۳ء) اور ڈاکٹر ضیاء الدین (۱۸۷۷ء- ۱۹۴۷ء) نے اس کے خلاف مضامین لکھ کر چھپوائے۔ ابھی یہ اختلاف چل ہی رہا تھا کہ سائمن کمیشن[۶] کی بنا پر مسلم لیگ مزید اختلاف رائے کا شکار ہو گئی۔ ایک گروہ، جس کی قیادت محمد علی جناح کر رہے تھے، سائمن کمیشن کے بائیکاٹ کا حامی تھا۔ جبکہ دوسرا گروہ، جس کے قائد محمد شفیع، فضل حسین اور محمد اقبال تھے، اس بائیکاٹ کے خلاف تھا۔ ان اختلافات کا نتیجہ یہ نکلا کہ ۱۹۲۷ء میں لیگ کے دو اجلاس منعقد ہوئے۔ ایک اجلاس دسمبر میں لاہور میں محمد شفیع کی زیر صدارت ہوا جس کے سیکرٹری علامہ محمد اقبال تھے جبکہ دوسرا اجلاس کلکتہ میں سر محمد یعقوب (۱۸۷۹ء- ۱۹۴۲ء) کی زیر صدارت منعقد ہوا۔ اس طرح لیگ کے نام سے دو متوازی جماعتیں بن گئیں، جن میں ایک کو شفیع لیگ اور دوسری کو جناح لیگ کہا جانے لگا۔

شفیع لیگ کے اصل معمار فضل حسین تھے جو اس زمانے میں اپنی صلاحیتوں کے کمال پر تھے۔ انہوں نے اگلے سال ایک متوازی لیگ کا اجلاس منعقد کرنے کی بجائے ایک زیادہ شاندار اور زیادہ نمائندہ اجلاس بلانے کی منصوبہ بندی کی اور اس کا نام آل پارٹیز مسلم کانفرنس[۷] رکھا جس کی صدارت کے لئے سر سلطان محمد شاہ آغا خان سوئم (۱۸۷۷ء- ۱۹۵۷ء) کا انتخاب کیا گیا۔ اگرچہ یو۔ پی کے سب سے بااثر تعلقہ دار راجا صاحب محمود آباد (۱۹۱۴ء- ۱۹۷۳ء) قائداعظم کے ساتھ تھے لیکن ان کے صوبے میں ان کے حریف تعلقہ داروں کو فضل حسین نے اس بات پر آمادہ کر لیا کہ وہ اس کانفرنس کی کامیابی کے لئے دامے، درمے، قدمے اور سخنے کام کریں۔ چنانچہ نواب چھتاری (پیدائش ۱۸۸۸ء) اس کانفرنس کی مجلس استقبالیہ کے غیر رسمی سربراہ بن گئے نیز اس میں جمعیت العلماء کے نمائندوں کے ساتھ ساتھ مولانا حسرت موہانی (۱۸۷۸ء- ۱۹۵۱ء) مولانا محمد علی جوہر، ڈاکٹر ضیاء الدین اور مسلمانوں کے خطاب یافتہ طبقے کی ایک بڑی تعداد نے بھی شرکت کی۔

اس کانفرنس کے انعقاد سے سیاسی صورت حال نہایت ناگفتہ بہ ہو گئی۔ محمد علی جناح نے ان مسلم مطالبات کو جو اس سے پہلے مسلم لیگ کے پلیٹ فارم سے کیے جا رہے تھے، نرم کر کے ہندو مسلم اتحاد کی

کوشش کی تاکہ ملک پر سے بدیسی راج کا خاتمہ ہو سکے لیکن کلکتہ کنونشن[۸] نے وہ نرم مطالبات بھی منظور نہ کئے۔ دوسری طرف مسلمانوں کی صفوں میں بھی اتحاد نہ رہا۔ چنانچہ ہندو مسلم اتحاد کا مقصد حاصل ہونے کی بجائے مسلمانوں کا اپنا اتحاد ہی ختم ہو گیا۔ محمد علی جناح یہ بھی دیکھ رہے تھے کہ نیشنلسٹ مسلمانوں کا ایک گروہ انڈین نیشنل کانگرس (ق- ۱۸۸۵ء) کے زیر سایہ اس مقصد کے لئے کوشاں تھا کہ مسلمانوں کو غیر مشروط طور پر نہرو رپورٹ[۹] کو تسلیم کرنے کے لئے آمادہ کرے۔ اس گروہ نے مزید پیش قدمی کرتے ہوئے جولائی ۱۹۲۹ء میں اپنے آپ کو آل انڈیا مسلم نیشنلسٹ پارٹی کی صورت میں منظم کیا۔ جس کے صدر ڈاکٹر مختار احمد انصاری (۱۸۸۰ء- ۱۹۳۶ء) مقرر ہوئے۔ اس کی بنیاد رکھنے والوں میں مولانا ابو الکلام آزاد (۱۸۸۸ء- ۱۹۵۸ء) ڈاکٹر سیف الدین کچلو (۱۸۸۴ء-۱۹۶۳ء) ڈاکٹر محمد عالم اور تصدق حسین خان شیروانی (۱۸۷۲ء- ۱۹۳۵ء) اور چودھری خلیق الزماں (۱۸۸۹ء- ۱۹۷۳ء) شامل تھے۔

حالات کا جائزہ لینے کے بعد محمد علی جناح اس نتیجے پر پہنچے کہ اس وقت سب سے بڑی ضرورت مسلمانوں کے باہمی نزاع کو ختم کرنا اور مسلم لیگ کو مسلمانوں کا ترجمان بنانا ہے۔ اس مقصد کو سامنے رکھ کر انہوں نے ان سیاسی رہنماؤں سے جو آل پارٹیز مسلم کانفرنس کی قرارداد کی حمایت میں بہت زیادہ سرگرم عمل تھے گفتگو کی اور ان کے ساتھ ایک متفقہ[۱۰] لائحہ عمل طے کیا۔ بعد ازاں انہوں نے لیگ کا ملتوی شدہ اجلاس مارچ ۱۹۲۹ء میں دہلی میں بلایا۔ اس طرح مسلمانوں میں پھر وہ بنیادی اتحاد پیدا ہو گیا جو اس سے پہلے موجود تھا۔ لیکن یہ اتحاد بھی بہت عارضی ثابت ہوا۔ شفیع لیگ کے نفس ناطقہ فضل حسین تھے نہ کہ محمد شفیع، وہی آل انڈیا مسلم کانفرنس کے روح رواں تھے۔ باہمی مفاہمت کے باوجود فضل حسین کا رویہ محمد علی جناح کے ساتھ معاندانہ رہا۔ چنانچہ جونہی وائسرائے ہند نے اعلان کیا کہ ہندوستان کا دستور وضع کرنے کے لئے عنقریب لندن میں ایک گول میز کانفرنس منعقد کی جائے گی جس میں ہندوستان کی تمام اقوام کے نمائندے شریک ہونگے تو فضل حسین نے باقاعدہ منصوبے کے تحت اس کانفرنس میں محمد علی جناح کو غیر موثر[۱۱] کرنا چاہا۔ محمد علی جناح کو بھی اس امر کا احساس تھا کہ کانفرنس کے ہجوم میں میرا ایک بھی حامی و مددگار نہیں ہے۔[۱۲] حالات کو ناسازگار پا کر محمد علی جناح نے لندن میں مستقل رہائش اختیار کرنے کا فیصلہ کر لیا جبکہ ان کی عدم موجودگی کا فائدہ اٹھاتے ہوئے فضل حسین نے مسلم لیگ کو اپنا تابع فرمان بنانے کی سعی کی۔[۱۳]

الغرض بیسویں صدی عیسوی کی تیسری دہائی کے پہلے نصف میں مسلمانوں کی حالت قابل رحم تھی۔ آل

انڈیا مسلم لیگ دو گروہوں میں منقسم ہو چکی تھی۔ مسلم کانفرنس غیر موثر ہو کر رہ گئی تھی۔ آغا خان لندن میں اپنی کاروباری مصروفیات میں الجھے ہوئے تھے۔ محمد شفیع اور محمد علی جوہر کا انتقال ہو چکا تھا۔ مجلس احرار (۱۹۲۹ء) جو ایک عوامی جماعت تھی اور جس کی قیادت نہ صرف فعال و متحرک تھی بلکہ اس نے کانگرس سے اپنا رشتہ بھی توڑ لیا تھا، نے کسی مقصد کے بغیر اپنی توانائیاں فضل حسین کے استیصال پر لگائی ہوئی تھیں۔ فضل حسین جواب آں غزل کے طور پر احرار کی بیخ کنی میں مصروف تھے۔ مسلمانوں کے کئی برگزیدہ اور ممتاز لوگ مثلاً تصدق احمد خان شیروانی، ڈاکٹر سیف الدین کچلو، ڈاکٹر محمد عالم، چودھری خلیق الزماں، سید عبداللہ بٹالوی اور ڈاکٹر سید محمود غیر مشروط طور پر کانگرس میں شامل ہو کر اس کو تقویت پہنچا رہے تھے۔ مسلمانوں میں کوئی موثر مرکزی تنظیم موجود نہیں تھی۔ نتیجتاً مسلمان صوبائی، مقامی بلکہ ذاتی معاملات میں الجھ کر رہ گئے اور کوئی ایسی تنظیم نہ رہی جو اس طوائف الملوکی کو ختم کر سکتی۔ اس صورت حال کو بھانپتے ہوئے چند مخلص اور ہمدرد مسلمان رہنماؤں نے محمد علی جناح سے لندن میں درخواست کی کہ وہ ہندوستان واپس چلیں، مسلمانوں کی قیادت سنبھالیں اور مسلم لیگ کو از سر نو منظم کر کے اس کو مسلمانوں کا حقیقی معنوں میں ترجمان بنائیں لہٰذا محمد علی جناح نے دعوت قبول کرتے ہوئے واپسی کا فیصلہ کیا اور ہندوستان واپس پہنچنے کے فوراً بعد لیگ کے دھڑوں کو یکجا کیا۔[۱۴] مارچ ۱۹۳۴ء میں محمد علی جناح کو مسلم لیگ کا مستقل صدر بنا دیا گیا جبکہ حافظ ہدایت اللہ (۱۸۸۱ء - ۱۹۳۶ء) جنرل سیکرٹری مقرر کیے گئے۔[۱۵] اس طرح محمد علی جناح کی ولولہ انگیز قیادت میں مسلم لیگ نے ایک نئے دور کا آغاز کیا۔

ابتدا ہی میں لیگ کو ایک نئے چیلنج کا سامنا کرنا پڑا۔ وہ یہ کہ انڈین کونسلز ایکٹ ۱۹۳۵ء کے تحت صوبائی انتخابات کا مرحلہ سامنے تھا۔ ہندوستان کے تمام صوبوں میں بہتر امیدواروں کی نامزدگی کے بارے میں فیصلہ کرنے کے لئے کانگرس نے پہلے ہی مرکزی پارلیمانی بورڈ تشکیل دے دیا تھا۔ یہ انتخابات کئی وجوہ کی بنا پر بہت زیادہ اہمیت اختیار کر گئے تھے۔ اول یہ کہ انتخابات پہلی بار بالغ رائے دہی کی بنیاد پر منعقد ہو رہے تھے۔ دوسرے جو سیاسی جماعت انتخابات میں کامیابی حاصل کرتی وہی حکمرانی کی مستحق ٹھہرتی۔ تیسرے یہ کہ نئے قانون کے مطابق نومنتخب شدہ صوبائی اسمبلیوں کے ممبران کو مرکزی اسمبلی کے انتخابات میں رائے دہندگان کی حیثیت حاصل تھی۔ اس طرح جو جماعت صوبائی اسمبلیوں میں اکثریت حاصل کرتی وہی مرکزی اسمبلی میں بالادستی حاصل کرتی۔ مسلم لیگ اول تو تنظیم نو کے ابتدائی مراحل میں تھی۔ دوسرے اس کو انتخابات لڑنے کا

کوئی تجربہ بھی نہیں تھا۔ چنانچہ محمد علی جناح مسلم لیگ کے تحت انتخابات لڑنے سے گریزاں تھے لیکن چند مسلم رہنماؤں کے اصرار پر لیگ کی کونسل[۱۷] نے فیصلہ کیا کہ انتخابات مسلم لیگ کے پلیٹ فارم سے ہی لڑے جائیں گے۔

اس امر کا فیصلہ کرنے کے بعد محمد علی جناح نے پنجاب کی جغرافیائی حیثیت' مسلم اکثریت اور زرعی دولت کی بنیاد پر اس صوبے کے سیاسی رہنماؤں سے رجوع کیا اور فضل حسین کو ایک خط لکھ کر اس سے تعاون چاہا۔[۱۸] اس کے بعد یکم مئی ۱۹۳۶ء کو محمد علی جناح نے فضل حسین کی رہائش گاہ واقع لاہور میں ان سے ملاقات کی اور ہر ممکن طریقے سے ان کو مسلم لیگ کے جھنڈے تلے لانے کی کوشش کی۔[۱۹] فضل حسین نے ان تمام مثبت کوششوں کا جواب نہ صرف نفی میں دیا بلکہ انہوں نے ۶ مئی ۱۹۳۶ء کو سر سکندر حیات (۱۸۸۲ء- ۱۹۴۲ء) کو خط لکھ کر محمد علی جناح اور ان کے پنجاب کے رفقاء بشمول علامہ محمد اقبال کا ذکر بڑی تحقیر سے کیا۔[۲۰] فضل حسین سے گفتگو ناکام رہی البتہ اتحاد ملت (۱۹۳۶ء) اور مجلس احرار کے رہنماؤں نے ابتدا میں مسلم لیگ کے پارلیمانی بورڈ میں شامل ہونے پر رضامندی ظاہر کر دی لیکن تھوڑے ہی عرصہ بعد یہ اتحاد بھی ختم ہو گیا۔ اس طرح پنجاب میں مسلم لیگ نے تن تنہا ہی اس معرکہ میں حصہ لیا۔ انتخابات کے نتائج مسلم لیگ کے لئے نہایت حوصلہ شکن نکلے۔[۲۱] لیکن محمد علی جناح نے جو مضبوط قوت ارادی' استقلال اور موقع شناسی کی زبردست صلاحیت کے مالک تھے اس سے کوئی منفی اثر نہیں لیا بلکہ پنجاب لیگ کے جنرل سیکرٹری غلام رسول خان کو ایک حوصلہ افزا خط لکھا۔[۲۲]

۱۹۳۷ء کے انتخابات میں یونینسٹ پارٹی نے پنجاب میں ۱۷۵ کے ایوان میں ۹۵ نشستیں[۲۳] حاصل کر کے ایک مضبوط طاقت بن کر ابھری اور صوبے میں بسنے والے تمام فرقوں کی نمائندہ وزارت قائم کر لی۔ اس طرح صوبے کی دونوں ملک گیر جماعتوں کو حکومت سے بے دخل کر دیا۔ اگرچہ پنجاب میں کانگرس کو اس قدر ناکامی کا سامنا تو نہ کرنا پڑا جتنا مسلم لیگ کو' جس کا صرف ایک نمائندہ اسمبلی میں پہنچنے میں کامیاب ہو سکا تھا' لیکن کانگرس بھی ۱۷۵ کے ایوان میں صرف ۱۸ امیدوار[۲۴] اسمبلی میں پہنچا سکی۔

۱۹۳۷ء میں مسلم لیگ کا سالانہ اجلاس لکھنؤ میں منعقد ہوا۔ اس اجلاس میں پنجاب اسمبلی کے ان ممبروں کو بھی دعوت نامے جاری کئے گئے جو یونینسٹ پارٹی میں شامل ہونے سے پہلے لیگ کونسل کے ممبر تھے کیونکہ لیگ کے آئین کے تحت یونینسٹ پارٹی کی شمولیت سے ان کی ممبری برائے کونسل پر کوئی فرق

نہیں پڑتا تھا۔ ان افراد کے علاوہ دس افراد وہ بھی تھے جو پنجاب پراونشل لیگ کو علامہ اقبال کی قیادت میں فعال کئے ہوئے تھے۔ دس افراد کا یہ گروہ ملک برکت علی جبکہ دوسرا گروہ سکندر حیات کی قیادت میں کونسل کے اجلاس میں شمولیت کے لئے لکھنؤ پہنچا۔ آئینی و قانونی طور پر یہ دونوں گروہ لیگ سے وابستہ تھے لیکن عملی طور پر باہم دست و گریباں۔ یہ صورت حال نہ تو پنجاب کے لئے سودمند تھی اور نہ مرکز کے لئے۔ اس وقت ضرورت اس امر کی تھی کہ دونوں گروہ باہمی اشتراک عمل سے اپنی قوم کی خدمت کر سکیں۔ محمد علی جناح کی موجودگی میں ملک برکت علی اور سکندر حیات خان میں گفتگو کا آغاز ہوا۔ گفتگو کے نتائج کو تحریر میں لایا گیا۔ اس پر بھی بحث و مباحثہ ہوا اور بالآخر باہمی رضامندی سے ایک مسودے پر دستخط ہوئے۔ اس کے بعد سکندر حیات اور ملک برکت علی لیگ کونسل کے اجلاس میں شریک ہوئے۔ محمد علی جناح نے سکندر حیات کا گرمجوشی سے استقبال کیا اور سکندر حیات اور ان کی جماعت کے تمام ارکان کا مسلم لیگ میں شمولیت کے فیصلے کا اعلان کیا گیا۔ اس کے بعد سکندر حیات نے ایک تقریر کی جس میں محمد علی جناح کی بات کی تصدیق کی' ان کو اپنا لیڈر تسلیم کیا اور پھر درج ذیل تحریر پڑھ کر سنائی:

ا۔ سکندر حیات خان واپس پنجاب جا کر اپنی پارٹی کا ایک اجلاس منعقد کریں گے جس میں پارٹی کے ان تمام مسلمان اراکین کو جو ابھی تک مسلم لیگ کے ممبر نہیں بنے ہدایت فرمائیں گے کہ وہ سب لیگ کے حلف نامے پر دستخط کریں اور لیگ میں شامل ہو جائیں۔ اندریں حالات وہ آل انڈیا مسلم لیگ کے مرکزی اور صوبائی بورڈ کے قواعد و ضوابط کی پابندی کریں گے لیکن یہ معاہدہ یونینسٹ پارٹی کی موجودہ کولیشن پر اثر انداز نہیں ہو گا۔

ب۔ اس معاہدے کے طے ہونے کے بعد آئندہ مجلس قانون ساز کے عام اور ضمنی انتخابات میں وہ متعدد فریق جو موجودہ یونینسٹ پارٹی کے اجزائے ترکیبی ہیں' متحدہ طور پر ایک دوسرے کے امیدواروں کی حمایت کریں گے۔

ج۔ یہ کہ مجلس قانون ساز کے مسلم ارکان جو مسلم لیگ کے ٹکٹ پر منتخب ہوئے ہیں یا اب لیگ کی رکنیت قبول کرتے ہیں اسمبلی میں مسلم لیگ پارٹی متصور ہوں گے۔ ایسی مسلم لیگ پارٹی کو اجازت ہو گی کہ وہ مسلم لیگ کی سیاسی پالیسی اور پروگرام کے بنیادی اصولوں کو مدنظر رکھتے ہوئے کسی دوسری پارٹی سے تعاون یا اتحاد کرے۔ اس قسم کا تعاون انتخابات سے قبل یا بعد ہر دو صورت میں ہو سکتا ہے۔ نیز پنجاب کی موجودہ متحدہ جماعت اپنا موجودہ نام یونینسٹ پارٹی رکھے گی۔

د- مذکورہ بالا معاہدے کو مدنظر رکھتے ہوئے صوبائی پارلیمانی بورڈ کی تشکیل ازسرنو کی جائے گی۔[۲۵]

مسلم لیگ اور یونینسٹ پارٹی کے اس اشتراک عمل کا پورے ملک میں بڑی گرم جوشی کے ساتھ خیرمقدم کیا گیا کیونکہ قومی اتحاد و اتفاق کا یہ منظر انتہائی خوشگوار تھا۔ اس معاہدے سے مسلم لیگ کی حیثیت یقیناً بہت بلند ہو گئی۔ ادھر کانگرس کے سوراج بھون اور برطانوی حکومت کے ایوانوں میں بھی ہلچل پیدا ہونے لگی تھی۔ یہ معاہدہ اس بات کی علامت بن گیا تھا کہ ہندوستان کا بازوئے شمشیرزن پنجاب اقلیت کے صوبوں کے مسلمانوں کی پشت پناہ بننے اور ان کے دکھ درد میں شریک ہونے کے لئے تیار ہے۔ مسلم لیگ کے لئے اس اعلان سے بہتر کوئی بھی ٹانک نہیں ہو سکتا تھا[۲۶] لیکن پنجاب میں معاملہ اس کے برعکس ہوا۔ پنجاب پراونشل مسلم لیگ کے صدر علامہ محمد اقبال خود اس سے مطمئن نہ تھے۔ ان کا نقطۂ نظر یہ تھا کہ یہ لوگ لکھنؤ میں جو کچھ کر کے آئے ہیں محض دکھاوے کا کھیل تھا ورنہ سکندر حیات اور اس کے رفقاء کسی بھی صورت میں یونینسٹ پارٹی کی اجارہ داری ختم کرنے اور مسلم لیگ کی بالادستی تسلیم کرنے پر تیار نہ ہوں گے۔ علامہ اقبال کا یہ خیال یکسر درست تھا۔ ۱۴ر اکتوبر ۱۹۳۷ء کو معاہدہ ہوا اور ۸ نومبر ۱۹۳۷ء تک سکندر حیات کی پارٹی کے کسی بھی ممبر نے مسلم لیگ کے فارم پر دستخط نہ کئے جبکہ چودھری غلام رسول سیکرٹری پنجاب مسلم لیگ نے ان کی رکنیت کے فارم بھی ان کو بھیج دیئے تھے۔[۲۷] علامہ اقبال کا یہ خیال بھی ایک حقیقت تھا کہ اس معاہدے سے یونینسٹ پارٹی کو مسلم لیگ پر بالادستی حاصل ہو جائے گی اور مسلم لیگ ثانوی حیثیت اختیار کر جائے گی۔ سر سکندر کی یہ کوشش ہو گی کہ وہ پراونشل لیگ اور پارلیمانی بورڈ پر مکمل قبضہ کر لیں۔[۲۸] علامہ اقبال کے خیال کی تائید اس وقت ہو گئی جب سکندر حیات نے علامہ اقبال کے سامنے مسلم لیگ کے ساتھ تعاون کی شرط یہ رکھی کہ مسلم لیگ کے پرانے سیکرٹری کو برطرف کر کے ان کے سب سے قریبی اور وفادار' میر مقبول محمود کو سیکرٹری بنا دیا جائے۔[۲۹]

یہاں بنیادی سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ سکندر حیات ایک مضبوط حکومت کے سربراہ تھے اور ہندوستان کے سب سے بڑے مسلم اکثریت والے صوبے کے حکمران تھے۔ انہیں برطانوی حکومت کی مکمل آشیرباد بھی حاصل تھی۔ ان حالات میں وہ کیا اسباب تھے جن کی بنا پر انہوں نے لیگ کونسل میں محمد علی جناح کو اپنا رہنما تسلیم کیا اور کونسل میں یہ وعدہ کیا کہ یونینسٹ پارٹی کے تمام ممبر لیگ کی رکنیت اختیار کر لیں گے اور وہ

لیگ کے نظم و ضبط کے تابع اور اس کی پالیسیوں کے پابند رہیں گے۔ سکندر حیات خان کے مداح اس کا جواب یوں دیتے ہیں کہ پنجاب میں یونینسٹ وزارت نے اپریل ۱۹۳۷ء کے آغاز میں عہدے کا حلف اٹھالیا تھا۔ اسی مہینے میں پنجاب کی نئی اسمبلی کا اجلاس لاہور میں منعقد ہوا تھا۔ راجا غضنفر علی خان کا بیان ہے کہ انہوں نے اسی زمانے میں سکندر حیات کے ساتھ اس سوال پر گفتگو شروع کر دی تھی کہ کیا اب اس تبادلہ خیال کا وقت نہیں آیا جو سر فضل حسین اور محمد علی جناح انتخابات کے بعد کرنا چاہتے تھے۔[۳۰] بنگال کی مثال سامنے آگئی تھی۔ کیا پنجاب میں اسی قسم کا کوئی انتظام نہ ہو سکتا تھا جس کے ذریعے صوبائی اسمبلی کے اندر یونینسٹ پارٹی اپنی پوری پارلیمانی قوت بھی قائم رکھے اور اس پارٹی کے مسلمان ممبر مسلمانوں کی مرکزی تنظیم میں بھی شامل رہیں۔ سکندر حیات کا ذہنی رجحان اس قسم کے انتظام کے حق میں تھا لیکن وہ دو کشتیوں میں پاؤں رکھنے کی عملی مشکلات محسوس کرتے تھے۔ ابھی یہ بات بھی واضح نہ تھی کہ مسلم لیگ اور کانگرس کے درمیان مفاہمت کی کوشش کیا صورت اختیار کرے گی۔ اگر مفاہمت ہوئی تو کن شرائط پر ہو گی اور پنجاب میں یونینسٹ پارٹی ان شرائط کا ساتھ دے بھی سکے گی یا نہیں؟ لاہور کے مختصر اجلاس کے دو ماہ بعد اسمبلی کا ایک طویل سیشن شملہ میں شروع ہوا یہاں پھر اس موضوع پر باتیں ہوتی رہیں۔ خود یونینسٹ پارٹی کی صفوں میں کئی ممبر ایسے تھے، بالخصوص نواب شاہنواز ممدوٹ جو سکندر حیات کو مسلم لیگ کے ساتھ مفاہمت کا مشورہ دے رہے تھے۔ اس وقت تک یہ یقین بھی حاصل کیا جا چکا تھا کہ سکندر حیات مسلم لیگ کی تنظیم کا حصہ بننے میں جو عملی مشکلات محسوس کرتے تھے، محمد علی جناح ان مشکلات کو حل کرنے میں انہیں ہر جائز مدد فراہم کرنے کو تیار ہیں۔ ابھی یہ باتیں ہو رہی تھیں کہ کانگرس کی جانب سے مسلم لیگ کے ساتھ عدم تعاون اور اس کے مقاصد کے خلاف سیاسی جنگ نے واضح صورت اختیار کر لی۔ سر سکندر کا تذبذب ختم ہو گیا۔ کانگرس کے خلاف مسلم لیگ کے ذریعے مسلمانوں کو مضبوط کرنے کا پروگرام ایسا تھا جو سر سکندر کے لئے ہم خرما و ہم ثواب کا مصداق تھا۔[۳۱]

مندرجہ بالا اقتباس یہ ظاہر کرتا ہے کہ کم از کم سر سکندر کی حد تک اس پیکٹ کے معمار اول راجہ غضنفر علی خان تھے جو مسلم لیگ کے اس حد تک ہمدرد تھے کہ صرف ایک نشست حاصل کرنے کے باوجود وہ صوبے کی حکمران جماعت کو مسلم لیگ کے تابع کرنا چاہتے تھے جبکہ خود راجہ صاحب کی لیگ سے ہمدردی اور تعلق کا یہ عالم تھا کہ انہوں نے الیکشن مسلم لیگ کے ٹکٹ سے لڑا لیکن فتح حاصل کرنے کے بعد انہوں نے

لیگ کے دفتر کا رخ تک نہ کیا بلکہ بقول سکندر حیات' راجہ صاحب نے پہلے ہی اس بات کا وعدہ کر لیا تھا کہ وہ الیکشن جیتنے کے بعد یونینسٹ پارٹی میں شامل ہو جائیں گے۔[۳۲] یہ مسلم لیگ کے ساتھ صریح بددیانتی اور دھوکہ بازی تھی۔[۳۳] اور راجہ صاحب نے اس کی قیمت بھی اس طرح وصول کرلی کہ وہ لیگ کی حریف پارٹی کے عہد حکومت میں پارلیمانی سیکرٹری بن گئے۔ ایک ایسا شخص جو اتنے سے مفاد کے لئے علی الاعلان وفاداری بدل لے اس سے لیگ کے لئے اس قدر وفاداری تاریخ کی کسوٹی پر پوری نہیں اترتی۔ مزید برآں سکندر حیات اور ملک برکت علی کسی فیصلے کے لئے گفتگو کر بھی رہے تھے تو اس موقع پر راجہ صاحب کو وہاں ہونا چاہئے تھا[۳۴] جبکہ راجہ صاحب کی جگہ میر مقبول محمود ان کے ہمراہ تھے۔

جہاں تک احمد یار خان دولتانہ (۱۸۹۷ء- ۱۹۴۰ء) کی کوششوں کا دخل ہے اس کے بارے میں اکرام علی ملک نے یہ تحریر کیا ہے کہ احمد یار دولتانہ نے اس معاہدے سے مہینوں پہلے ایک اہم پبلک بیان جاری کیا تھا جس میں یہ کہا تھا کہ کیا یونینسٹ کیا غیر یونینسٹ تمام مسلم آل انڈیا مسائل میں مسٹر جناح کے ساتھ اشتراک و تعاون پر بالکل آمادہ ہیں۔ مسٹر جناح سے ہمارا جھگڑا صرف اس وجہ سے ہوا تھا کہ ہم ایک ایسی غیر فرقہ وارانہ جماعت کو توڑنے پر تیار نہ تھے جو مدت سے ہمارے صوبے میں قائم چلی آ رہی تھی اور جس کے ذریعے سے ہم بلاامتیاز مذہب و ملت عوام کے حقوق کی نگہداشت بہترین طریقے سے کر سکتے ہیں۔[۳۵] میاں احمد یار دولتانہ کا یہ بیان ۷ مئی ۱۹۳۷ء کا ہے جبکہ کانگرس کی مسلم رابطہ مہم شروع ہوئے ایک ماہ اور سات یوم ہو چکے تھے اور اس مہم نے ان کو مجبور کیا کہ وہ جناح اور مسلم لیگ کے دامن میں پناہ لے۔ وگرنہ صرف ۸ ماہ پیشتر وہ محمد علی جناح کو واضح طور پر متنبہ کر چکے تھے کہ مسٹر جناح ہم سے خواہ مخواہ جنگ مول لے رہے ہیں۔ ہم ان سے لڑنا نہیں چاہتے اگر مسٹر جناح نے اپنی موجودہ مہم ترک نہ کی تو ہم مسٹر جناح کی اس قابل اعتراض روش سے تنگ آ کر آئندہ فیڈرل اسمبلی میں پنجاب کے نمائندے مسلم لیگ گروپ میں شامل ہونے سے انکار کر دیں گے اور اس کی جگہ آزاد رہنا پسند کریں گے یا پھر لیگ کے مقابلے میں دوسری جماعتوں سے مل کر کسی اقتصادی پروگرام کی بنا پر علیحدہ پارٹی بنالیں گے۔[۳۶] اس بیان میں دولتانہ کے الفاظ ان کے ارادوں کی غمازی اور ان کی نیت کی ترجمانی کرتے ہیں۔ موقع پرست افراد کا یہ جتھا جسے یونینسٹ پارٹی کا نام دیا گیا ہے۔ اس سے ملی مفاد کا تصور ہی تاریخ سے ناواقفیت کا مظہر ہے۔[۳۷] احمد یار دولتانہ' سر سکندر حیات کے کہنے پر اپنی پارٹی کے بانی رہنما کے خلاف سازشوں میں مصروف تھے۔[۳۸] ۲۹/ اپریل ۱۹۳۶ء

کو احمد یار دولتانہ، محمد علی جناح کو اپنی رہائش گاہ پر ٹھہرا رہے تھے اور پھر تھوڑے ہی عرصہ بعد محمد علی جناح کو مذکورہ بالا دھمکیاں دے رہے تھے۔ ایسے لوگوں کے کسی بیان کو بنیاد بنا کر کوئی نتیجہ اخذ کرنا تاریخی واقعات کی سچائی کو مشتبہ بنانا ہے۔ اکرام علی ملک نے ایک خط کا حوالہ بھی دیا ہے جو علامہ اقبال نے محمد علی جناح کو لکھا۔ جس میں علامہ اقبال نے یہ تحریر کیا کہ "دو ایک روز ہوئے سر سکندر لاہور سے رخصت ہو گئے ہیں میرا خیال ہے وہ بمبئی پہنچ کر آپ سے ملیں گے اور بعض امور سے متعلق گفتگو کریں گے..... اگر آپ ان کو مطمئن کرنے میں کامیاب ہو گئے تو بہت ممکن ہے کہ وہ ہمارے ساتھ آن ملیں۔" اکرام علی ملک مزید لکھتے ہیں کہ یہی وہ فارمولہ تھا جس میں بعد میں ترامیم ہوئیں۔ اور جو لکھنؤ میں طے کیا گیا۔[۳۹]

اکرام علی ملک نے خط کا حوالہ بالکل درست دیا ہے لیکن یہ سکندر حیات کی ذہانت کا کمال اور علامہ اقبال کی راست فطرت کا نتیجہ تھا کہ انہوں نے سکندر حیات کی باتوں کا مطلب وہی لیا جو وہ بادی النظر میں بیان کر رہے تھے۔ وگرنہ حقیقت بالکل برعکس تھی۔ یہ وہی وقت تھا جبکہ سکندر حیات ایک طرف تو راجہ نریندر ناتھ کے ساتھ گفت و شنید کر رہے تھے کہ فضل حسین کے خلاف پارٹی میں رہ کر یا باہر کوئی گروہ تشکیل دیا جائے جس کا ذکر فضل حسین نے بھی کیا۔ دوسری طرف وہ مسلم سے بھی پینگیں بڑھا رہے تھے۔ درحقیقت نہ وہ راجہ صاحب سے مخلص تھے اور نہ وہ مسلم لیگ میں آنا چاہتے تھے۔ وہ فضل حسین کی قائدانہ صلاحیتوں سے خائف تھے۔ ان کی دلی خواہش تھی کہ وہ اب فضل حسین کے ماتحت رہ کر کام کرنے کی بجائے اس کے مدمقابل آ جائیں۔ چنانچہ جونہی ۹ جولائی ۱۹۳۶ء کو فضل حسین کا انتقال ہوا تو اس کے بعد احمد یار دولتانہ، میر مقبول محمود، نواب مظفر خان حتیٰ کہ سر سکندر حیات کسی نے بھی مسلم لیگ کے ساتھ تعاون کی بات نہیں کی بلکہ محمد علی جناح کے خلاف دھمکی آمیز بیان دینا شروع کر دیئے۔ انتخابات میں انہوں نے کھل کر مسلم لیگیوں کی نہ صرف مخالفت کی بلکہ انہوں نے لیگ کے دو کامیاب امیدواروں میں سے ایک کو رشوت اور عہدے کا لالچ دے کر لیگ سے توڑ لیا اور اس طرح لیگ میں نقب زنی کا ارتکاب کیا۔

سکندر حیات کا لیگ دشمنی کا یہ طرز عمل "سکندر جناح پیکٹ" کے بعد بھی جاری رہا۔ مسلم لیگ کے مقابلے میں "زمیندارہ لیگ" قائم کی اور اپنے عہد حکومت میں سرکاری سطح پر اس کی سرپرستی کرتے رہے۔ ملک برکت علی نے تحفظ مساجد کا بل تیار کیا۔ اس بل نے لیگ کی مقبولیت کا گراف نہایت بلند کر دیا اور اگر یہ بل منظور ہو جاتا تو صوبائی لیگ اپنی مقبولیت کی انتہا کو پہنچ جاتی لیکن سر سکندر نے نہ صرف اس بل کے

خلاف تقریر کی اور اپنی حمایت میں یونینسٹ پارٹی کے تمام مسلمان ممبران کے استعفے اپنی جیب میں رکھ لئے بلکہ گورنر کو مشورہ دیا کہ وہ اپنے خصوصی اختیارات استعمال کرتے ہوئے بل کو اسمبلی میں پیش ہی نہ ہونے دیں۔ سکندر حیات مسلم لیگ دشمنی میں اس حد تک آگے بڑھ گئے کہ انہوں نے قرار داد پاکستان کے خلاف تقاریر کا آغاز کر دیا بالاخر پنجاب مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن کو اس کا سختی سے نوٹس لینا پڑا اور اس کو سکندر حیات کے خلاف متحرک ہونا پڑا۔[۴۰]

یہاں ایک اور بنیادی سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب سکندر حیات ذہنی طور پر مسلم لیگ کے اس قدر خلاف تھے تو کن عوامل نے ان کو مجبور کیا کہ وہ لیگ کے لکھنؤ سیشن ۱۹۳۷ء میں شرکت کریں اور وہاں اپنے بدترین مخالفین کے ساتھ بیٹھ کر ایک معاہدہ کریں۔ اس کے بعد وہ پنڈال میں آئیں، محمد علی جناح کو اپنا قائد تسلیم کریں اور پورے ہند کی اسلامی سیاسی قیادت کے سامنے وعدہ کریں کہ وہ تمام مسلمان یونینسٹ ممبران کو ہدایت کریں گے کہ وہ لیگ کے رکنیت فارم پر کر کے لیگ کے ممبر بنیں اور آئندہ آل انڈیا مسلم لیگ کے تمام قواعد و ضوابط اور پالیسیوں کی پابندی کریں۔ واضح رہے کہ سکندر حیات اس وقت برصغیر کے سب سے بڑے مسلم اکثریت والے صوبے کے بلاشرکت غیرے حکمران تھے اور ان کو ۱۷۵ کے ایوان میں ۱۰۴ ممبران کی مکمل تائید و حمایت حاصل تھی۔[۴۱] بلکہ یوں کہنا زیادہ مناسب ہو گا کہ ۱۰۴ ممبران ان کے اشارۂ ابرو کے منتظر رہتے تھے جبکہ دوسری طرف انگریز گورنر ان کی بات کو سننے اور اس کو اہمیت دینے پر مجبور تھا۔ اس سوال کا جواب اس دور کی پنجاب کی صوبائی سیاست کی بجائے ہند کی مرکزی سیاست میں نظر آتا ہے۔ ۱۹۳۶ء۔ ۳۷ء کے الیکشن میں کانگرس کو چھ صوبوں میں خلاف توقع بڑی کامیابی حاصل ہو گئی۔ کامیابی کے اس نشے نے کانگرس کو تمام سیاسی روایات اور جمہوری اقدار سے بیگانہ کر دیا اور کانگرس نے واضح اور صریح الفاظ میں اپنی تمام مخالف قوتوں کو متنبہ کر دیا کہ صرف اسی صورت میں کسی سیاسی قوت کا وجود برداشت کیا جائے گا جب وہ اپنے جداگانہ تشخص کو ختم کر کے کانگرس میں مدغم ہو جائے۔[۴۲] بات یہیں تک محدود نہ تھی کانگرس نے ایک طرف تو یہ اصول اپنایا کہ مخلوط وزارتیں جمہوری روایات کے منافی ہیں لیکن دوسری طرف سر عبدالقیوم خان کی وزارت ختم کر کے ڈیموکریٹ، انڈی پنڈنٹ اور مہا سبھائی ممبران کے ساتھ مل کر ۳ ستمبر ۱۹۳۷ء کو مخلوط حکومت تشکیل دی اور اس طرح مخالف قوت کو اقتدار سے باہر کر دیا۔[۴۳]

حکومتی سطح کے ساتھ ساتھ کانگرس نے عوامی سطح پر بھی مخالف قوتوں کا زور توڑنے کے لئے مسلم

رابطہ عوام تحریک شروع کر دی۔ اس ضمن میں یکم اپریل ۱۹۳۷ء کو پنڈت جواہر لال نہرو (۱۸۸۹ء-۱۹۶۴ء) نے ہندوستان کی تمام صوبائی کانگرس کمیٹیوں کو ایک مراسلہ جاری کیا جس میں یہ ثابت کرنے کی کوشش کی گئی کہ مسلمانوں میں اس امر کی بڑی خواہش پائی جاتی ہے کہ وہ کانگرس کا پیغام سنیں اور کانگرس کی تحریک آزادی میں شرکت بھی کریں۔

> حقیقت یہ ہے کہ جب ہم ملک کے بنیادی مسائل مثلاً آزادی حاصل کرنے کی تڑپ یا افلاس اور بے کاری کو دور کرنے کی خواہش پر غور کرتے ہیں تو صاف نظر آتا ہے کہ ان مشترکہ معاملات میں ہندوؤں' سکھوں' مسلمانوں اور مسیحیوں میں کوئی باہمی اختلاف نہیں ہے۔ جھگڑا صرف اس وقت پیدا ہوتا ہے جب گنتی کے چند بڑے رہنما فرقہ وارانہ حقوق کے بٹوارے کی بحث شروع کر دیتے ہیں۔ اندریں حالات سب سے مقدم اور ضروری کام یہ ہے کہ زیادہ سے زیادہ تعداد میں مسلمانوں کو کانگرس کا ممبر بنایا جائے۔ میں آپ کی صوبائی کانگرس کمیٹی سے درخواست کرتا ہوں کہ وہ اس معاملے پر خصوصیت سے توجہ کرے اور مسلمانوں کو بھرتی کرنے کا کام فوراً تندہی سے شروع کر دے۔ میری رائے میں ہندوستان کے ہر صوبے کی کانگریس کمیٹی کو چاہئے کہ اپنے ہاں مسلم رابطہ عوام کے نام سے ایک الگ ادارہ قائم کرے جس کے نگران اور کارکن شہر اور دیہات میں پھیل جائیں اور مسلمانوں کو کانگرس میں شامل کریں۔ آل انڈیا کانگرس کمیٹی کے صدر دفتر واقع الہ آباد میں اس غرض کے لئے ایک علیحدہ محکمہ قائم کر دیا گیا ہے۔ ہندوستان کی جملہ صوبائی کانگریس کمیٹیوں میں مسلم رابطہ عوام کی جتنی شاخیں کھولی جائیں گی وہ سب کی سب الہ آباد کے مرکزی محکمے کے تحت کام کریں گی۔ مناسب یہی ہے کہ آپ مرکز کو اپنی کارگزاریوں کی باقاعدہ اطلاع کریں۔ [۴۴]

کانگرس کے یہ اقدام اس کی مخالف قوتوں کے لئے ایک بڑا چیلنج تھے کیونکہ یہ مراسلہ اس امر کا اعلان تھا کہ اب کانگرس محمد علی جناح اور دیگر کسی بھی مسلم رہنما سے کوئی بات نہیں کرے گی بلکہ وہ مسلمانوں سے براہ راست رابطہ کر کے انہیں آزادی کا پر فریب تصور دے کر اپنی تمام حریف قوتوں کو بے اثر کر دے گی۔ یہ صورت حال محمد علی جناح کے لئے تو حیران کن تھی مگر اس سے زیادہ سر سکندر حیات خان کے لئے ضرر رساں تھی اور اس کا پہلا ہدف وہ مئی ۱۹۳۷ء میں مولانا ظفر علی خاں (۱۸۷۳ء-۱۹۵۶ء) اور میاں عبدالعزیز کی باہمی کشمکش میں دیکھ چکے تھے۔[۴۵] سر سکندر حیات سے زیادہ اس امر سے کون واقف ہو سکتا تھا کہ یونینسٹ پارٹی کی شاندار عمارت اندر سے کس قدر کھوکھلی اور کمزور ہے اور وہ پارٹی جو اقتدار کے سنگھاسن پر

براجمان ہے۔ کس خطرناک حد تک اندرونی خلفشار اور باہمی کشمکش کا شکار ہے۔ سکندر حیات خان اس باغی گروہ کے لیڈر تھے جو اپنے بانی رہنما کے خلاف مسلسل ریشہ دوانیوں میں مصروف تھا حتیٰ کہ اس گروہ نے فضل حسین کی قیادت سے منحرف ہونے کے لئے اپنی پارٹی کے مقابلے میں ایک نئی پارٹی کی داغ بیل ڈالنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ اس تمام کاروائی میں نواب مظفر خان، میاں احمد یار خان دولتانہ اور میر مقبول محمود ان کے ہمراہ تھے۔ اب فرق صرف اس قدر تھا کہ سازشی اپنی جگہ موجود تھے البتہ اب ہدف فضل حسین کی جگہ سکندر حیات بن سکتے تھے۔ سکندر حیات اس امر سے بھی واقف تھے کہ جب فضل حسین جیسا زیرک اور دانا انسان سازشیوں کے آگے اس قدر بے بس ہو جائے کہ وہ خودکشی کا ارادہ کر لے تو سکندر حیات تو ان کے لئے ایک تر نوالہ ثابت ہونگے اور خاص طور پر اس وقت جب کانگرس جیسی ملک گیر تنظیم ہوس اقتدار میں اس حد تک آگے نکل چکی ہو کہ اس کی نظر میں کسی بھی مخالف قوت کو اپنا وجود برقرار رکھنے کی اجازت نہ ہو نیز ترغیب، تحریص، لالچ اور دھونس کے تمام ذرائع اس کے پاس موجود ہوں۔ سکندر حیات سے یہ پہلو بھی مخفی نہیں تھا کہ اگر وہ اپنی سیاسی حکمت عملی اور انگریز گورنر کے تعاون سے پارٹی کی شیرازہ بندی میں کامیاب بھی ہو جائیں تو عوام کو مطمئن کرنے، کانگرس کا زور توڑنے اور مسلم لیگ کی بیخ کنی کرنے کے لئے جن قوتوں کی ضرورت تھی ان سے ان کا دامن کافی حد تک خالی تھا۔ ان کی پارٹی گذشتہ ۱۴ سال سے بلاشرکت غیرے اقتدار پر براجمان رہی تھی لیکن اس کے باوجود اس کے دامن میں ٹھوس کامیابیوں کا فقدان تھا۔ سرکاری ملازمتوں کا معاملہ لے لیجئے جس کا ڈھنڈورا بہت زیادہ پیٹا گیا۔ پنجاب سول سروس (ایگزیکٹو برانچ) میں مسلمانوں کا تناسب ۴۰ فیصد اور جوڈیشل برانچ میں ۳۴ فیصد تھا۔ پولیس ڈیپارٹمنٹ کے متعلق عام طور پر یہ مشہور تھا کہ یہ محکمہ مسلمانوں کے قبضے میں ہے لیکن انسپکٹر کی آسامیوں میں مسلمان ۳۸ فیصد تھے۔ اسی طرح پی۔ ڈبلیو۔ ڈی (محکمہ انہار) کی پراونشل انجینئرنگ سروس میں ہندوؤں اور سکھوں کی تعداد ۶۶ تھی جبکہ مسلمان صرف ۱۸ تھے۔ سب انجینئرنگ کے درجے میں مسلمان ۱۳ فیصد اور ہندو ۸۷ فیصد تھے۔ سبارڈینیٹ انجینئرنگ سروس میں مسلمان ۳۰ فیصد جبکہ ہندو اور سکھ ۷۰ فیصد تھے۔ کلرک اور ہیڈ کلرک کی آسامیوں پر مسلمانوں کا تناسب ۳۶ فیصد اور ہندوؤں اور سکھوں کا ۶۶ فیصد تھا۔ پٹواریوں میں مسلمان صرف ۳۸ فیصد تھے۔ محکمہ جنگلات کی پراونشل سروس میں ایکسٹرا اسسٹنٹ کنزرویٹر کے عہدے پر مسلمانوں کا تناسب ۱۷ فیصد تھا جبکہ ہندوؤں اور سکھوں کا تناسب ۸۳ فیصد تھا۔ محکمہ قانون میں مسلمانوں کی نیابت ایک تہائی سے

زیادہ نہ تھی۔ ہائی کورٹ کے کلرکوں میں مسلمانوں کو ۳۷ فیصد سے زیادہ حصہ کبھی نہ ملا۔ اسی طرح پنجاب سول سیکرٹریٹ میں بھی مسلمان کلرکوں کی تعداد ۳۷ فیصد تھی۔ فنانشل کمشنر کے دفتر میں مسلمان صرف ۳۷ فیصد تھے حالانکہ ۱۹۲۶ء سے ریونیو ممبر کا منصب مسلمانوں کے پاس تھا۔

محکمہ جات متعلقہ جو کہ براہ راست وزراء کی تحویل میں تھے ان کا حال بھی ان سے مختلف نہ تھا۔ محکمہ زراعت میں درجہ اول کی آسامی پر ایک بھی مسلمان نہیں تھا اور اسسٹنٹ کے عہدے پر مسلمانوں کا تناسب صرف ۳۳ فیصد تھا۔ وٹرنری کے شعبہ میں ان کا تناسب ۴۰ فیصد کے قریب تھا۔ پی۔ ڈبلیو۔ ڈی کی پراونشل سروس میں مسلمان ۱۱ فیصد اور سپیشل گریڈ میں ان کا حصہ صرف ۷ فیصد تھا۔ محکمہ تعلیمات کے سپیشل گریڈ میں مسلمان ۱۱ فیصد تھے۔ پراونشل گریڈ کے درجہ دوئم کی ایک سو گیارہ آسامیوں میں مسلمانوں کے پاس صرف ۳۶ فیصد آسامیاں تھیں۔ سبارڈ۔نیٹ (ماتحت) سروس کی ۹۸۸ آسامیوں میں مسلمانوں کے پاس صرف ۳۹ فیصد اور بقیہ ہندوؤں اور سکھوں کے پاس تھیں۔ واضح رہے کہ مسند وزارت گذشتہ گیارہ سال سے مسلمانوں کے پاس تھی۔ میڈیکل سروس میں مسلمان سول سرجن ۲۲ فیصد' اسسٹنٹ سرجن ۲۷ فیصد اور سب اسسٹنٹ سرجن ۲۲ فیصد تھے۔ ڈسپنسروں میں ۳۲ فیصد مسلمان تھے۔ اسی طرح پبلک ہیلتھ کے محکمہ میں مسلمانوں کا حصہ مجموعی طور پر ۳۰ فیصد تھا۔ لوکل سیلف گورنمنٹ اور رجسٹریشن کے محکموں میں بھی مسلمانوں کا یہی حال تھا۔[۴۶]

الغرض یونینسٹ پارٹی کے بلند و بانگ دعویٰ کی حقیقت خود اس کے بانی رہنما کے تحریر کردہ پمفلٹ سے سامنے آجاتی ہے کہ حکمرانی حاصل کرنے کے بعد بھی مسلمانوں کو سرکاری ملازمتوں میں ان کا جائز حق نہ مل سکا۔ سیاسی ترقی کا عالم یہ تھا کہ بقول فضل حسین پنجاب خودداری سے محروم ہو گیا تھا۔[۴۷] اس کی وجہ بقول ملک برکت علی وہ لوگ تھے جو اس صوبے کے حکمران (یعنی یونینسٹ) تھے۔ جن کے ہاتھ میں عنان حکومت تھی اور جو سیاہ و سفید کے مالک تھے۔ ان حالات میں جب کانگرس خم ٹھونک کر یونینسٹوں کے مقابلے میں آجاتی اور مسلم لیگ سے پہلے ہی ان کا مقابلہ ہو رہا ہوتا تو پنجاب کے یونینسٹوں کا حشر بھی صوبہ سرحد کے سر عبدالقیوم اور سندھ کے سر غلام حسین ہدایت اللہ جیسا ہوتا چنانچہ انہوں نے عافیت اس میں دیکھی کہ طاقتور حریف سے بچنے کے لئے ان کو مسلم لیگ میں پناہ لے لینی چاہئے۔ یہ ان کی سب سے بڑی مجبوری تھی اور اس بات کو ان کے دیرینہ رفیق کار اور ہم عصر صحافی نے ان الفاظ میں تسلیم کیا کہ کانگرس

کے عزائم کی مزاحمت ان کی اپنی وزارتی سیاست کو بھی راس آتی تھی اور پورے ملک کے مسلمانوں کے مفاد کے نقطۂ نگاہ سے بھی درست تھی۔ سید نور احمد اگر پوری دیانتداری سے تاریخ رقم کرتے تو ان کو صرف یہ لکھنا چاہئے تھا کہ سکندر حیات کا مقصد پورے ملک کے مسلمانوں کے مفادات کا تحفظ نہ تھا۔ دراصل کانگرس کے عزائم کی مزاحمت خود سکندر حیات کی وزارتی سیاست کے تحفظ کے لئے ناگزیر تھی۔

اس ضمن میں ایک پہلو یہ بھی سامنے آتا ہے کہ سکندر حیات سیاست میں نووارد تو نہیں تھے۔ فضل حسین کے خلاف ان کے عزائم' انگریز استعماریت سے ان کی خاندانی وابستگی اور حالیہ الیکشن میں ملک برکت علی اور ملک زمان مہدی کے خلاف ان کی سازشوں سے قائداعظم پوری طرح آگاہ تھے۔ راجہ غضنفر علی خان کی مسلم لیگ کش پالیسیوں میں سکندر حیات کی اعانت قائداعظم سے مخفی نہیں تھی۔ پھر بھی انہوں نے ان سے معاہدہ کیا نیز اس معاہدے کے فوراً بعد علامہ اقبال نے مسلسل اور تواتر کے ساتھ سکندر حیات کی منفی پالیسیوں سے قائداعظم کو مطلع کیا۔ اس کے باوجود ہر مقام اور ہر جگہ پر سکندر حیات فوقیت لیتے رہے۔

اس سوال کا جواب پھر برصغیر پاک و ہند کی مرکزی سیاست میں نظر آتا ہے۔ حالیہ انتخابات میں ہند کے مسلم اکثریتی صوبوں میں مسلم لیگ کو بری طرح ناکامی کا سامنا کرنا پڑا تھا۔ چنانچہ کانگرس بڑی تحقیر سے محمد علی جناح کو کہتی تھی کہ مسلم لیگ ہند کی ملت اسلامیہ کی نمائندہ نہیں ہے۔ بلکہ یہ اقلیتی صوبوں کے مٹھی بھر مسلمانوں کا شور و غوغا ہے۔ کانگرس کو اس کا جواب دینے کے لئے ضروری تھا کہ مسلم اکثریتی صوبوں کے حکمران بھی جناح کو اپنا قائد اور لیگ کو اپنی نمائندہ تنظیم قرار دیں' خواہ اس کے لئے وقتی طور پر کچھ سیاسی حقیقتوں سے چشم پوشی بھی کرنی پڑے۔ محمد علی جناح ایک سیاسی رہنما تھے اور سیاسی مقاصد کے حصول کے لئے یہ منصوبہ بندی ناگزیر تھی۔ یہ منصوبہ بندی نہایت لازمی تھی جس کے خوشگوار نتائج نکلے۔ ان تینوں وزرائے اعظم[۴۸] کی شرکت نے مسلم لیگ میں ایک نئی روح پھونک دی۔ محمد علی جناح کا شمار اگرچہ ہمیشہ ہندوستان کے صف اول کے رہنماؤں میں ہوتا رہا لیکن انہیں اب تک اپنی قوم کی مجموعی اور غیر مشروط تائید حاصل نہ ہوئی تھی۔ مسلمانوں کے قائداعظم ہونے کے بجائے وہ ہمیشہ مسلمانوں کے ایک خاص طبقے کے رہنما سمجھے جاتے تھے۔ لیکن اب محمد علی جناح کی حیثیت یہ نہیں رہی تھی۔ وہ مسلمانوں کے بہت سے رہنماؤں میں سے ایک رہنما نہیں تھے بلکہ وہ پوری قوم کے تنہا اور واحد قائد بن گئے تھے۔[۴۹]

محمد علی جناح پنجاب کی اس غیر مشروط تائید کے بل پر مرکزی حکومت سے اپنی حیثیت منوا کر اپنی قوم

کے مفادات کا تحفظ چاہتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ انہوں نے پنجاب کے اقبال سکندر تنازعہ میں مداخلت سے اجتناب کیا۔ حتیٰ کہ جب سکندر حیات نے اس کو سکندر جناح پیکٹ کا نام دیا تو جناح نے اس کی بھی تردید نہیں کی۔ محمد علی جناح مناسب موقعہ کے انتظام میں تھے کہ جب پورے ملک کے مسلمان اور مسلمان قیادت مسلم لیگ کی ضرورت اور اس کی اہمیت کو تسلیم کر لیں تو پھر وہ پنجاب میں اسی طرح فیصلہ کن مداخلت کریں جس طرح انہوں نے مولوی اے۔ کے فضل الحق کے خلاف کی تھی اور لیگ کے خلاف ریشہ دوانیوں میں حصہ لینے والی تمام قیادت کو مجبور کر دیا تھا کہ وہ یا تو اپنی منفی حرکتوں سے باز آجائے اور لیگ کے دامن میں پناہ لے لے یا پھر ہمیشہ ہمیشہ کے لئے سیاست سے کنارہ کش ہو جائے اور ایسا ہی ہوا۔ محمد علی جناح نے بنگال کے قضیہ سے فارغ ہو کر پنجاب کی جانب توجہ دی۔ پنجاب کے وزیراعظم سر خضر حیات ٹوانہ (۱۹۰۰ء۔ ۱۹۷۵ء) کو بلا کر ان کی غیرذمہ دارانہ حرکتوں پر جواب طلبی کی۔ بعد ازاں اس کی وضاحت کو تسلی بخش نہ پا کر اس کو بھی لیگ سے اسی طرح خارج کر دیا جس طرح بنگال کے مولوی فضل الحق کو کیا تھا۔ اور اعلان کیا کہ وزارتوں کے لئے لیگ نہیں ہے لیگ کے لئے وزارتیں ہیں۔ اور یہ کہ لکھنؤ میں ۱۹۳۷ء میں سکندر حیات نے ازخود ایک وعدہ کیا تھا، اعلان کیا تھا وہ کوئی معاہدہ نہیں تھا کیونکہ معاہدہ تو دو برابر کی پارٹیوں میں ہوتا ہے۔ یہ تو ایک پیروکار کا اپنے رہنما کے سامنے اقرار تھا۔[۵۰]

تاریخ کے اوراق اس امر کی گواہی دیتے ہیں کہ قائداعظم نے اپنے مقاصد کے لئے وقت کا انتظار کرنے اور یونینسٹوں سے نمٹنے کے لئے جو پالیسی مرتب کی تھی وہ اس میں پوری طرح کامیاب رہے۔ یہ قائداعظم ہی کی ذہانت اور تدبر کا نتیجہ تھا کہ صرف ۹ سال کی قلیل سی مدت میں یونینسٹوں کے اراکین پنجاب اسمبلی کی تعداد ۱۰۴ سے کم ہو کر صرف ۹ رہ گئی اور لیگیوں کی تعداد ایک سے بڑھ کر ۹۷ تک جا پہنچی۔ قائداعظم کی یہ پالیسی صرف پنجاب تک محدود نہ تھی۔ رائے عامہ کو ہموار کرنے اور موزوں وقت کا منتظر رہنے کی یہ پالیسی قائداعظم نے بنگال میں بھی اختیار کی۔ ۱۹۳۷ء کے انتخابات سے قبل مولوی اے۔ کے۔ فضل الحق نے مسلم لیگ کے ساتھ باقاعدہ معاہدہ[۵۱] کرنے کے بعد اس سے انحراف کیا لیکن قائداعظم نے لیگ کی تمام قوت سے ان کو سہارا دے کر بنگال کا وزیراعظم بنا دیا۔ دوسری طرف سرکاری پنچوں کی اعانت حاصل کی۔ لیگ کے پیغام اور اس کے مقاصد کو بنگال کے عوام تک پہنچایا اور پھر قوت حاصل کرنے کے بعد مولوی اے۔ کے۔ فضل الحق (جو لیگ۔ کرشک پرجا پارٹی کولیشن کے وزیراعظم تھے) کو ان کی غلط روش پر ٹوکا لیکن جب

وہ اپنے طرز عمل کو تبدیل کرنے پہ راضی نہ ہوئے تو ان کو لیگ کے تمام عہدوں سے برطرف کر دیا بعد ازاں جب ان کو اپنے طرز عمل کے غلط ہونے کا احساس ہو گیا تو قائداعظم نے انہیں خوش آمدید کہا۔

صوبہ سندھ اور شمال مغربی سرحدی صوبہ میں بھی ایسی ہی صورت پیدا ہوئی۔ جن لوگوں نے ۱۹۳۶ء۔ ۱۹۳۷ء کے انتخابات میں لیگ کے ساتھ سیاسی جدوجہد میں شریک ہونے سے انکار کر دیا تھا' بلکہ لیگ کے امیدواروں کے مدمقابل [۵۲] تھے' قائداعظم نے ان سے بھی اشتراک و تعاون کیا لیکن ان میں سے جس نے بھی لیگ کے مقاصد' پالیسیوں اور ہدایات سے انحراف کیا ان کو معاف نہ کیا۔ قائداعظم کی یہی پالیسی تھی جس کی بنا پر ۱۹۴۵ء۔ ۱۹۴۶ء کے انتخاب سے قبل ہی وہ اور ان کی جماعت برصغیر پاک و ہند کے مسلمانوں کے واحد نمائندہ تسلیم کر لئے گئے۔ محمد علی جناح کی یہی حکمت عملی اور حالات کے تجزیئے ان کی کامیابیوں کے ضامن بنے۔ وہ وقت کے تقاضوں کے مطابق پالیسیاں وضع کرتے لیکن اصولوں پر کبھی سودے بازی نہیں کرتے تھے۔ وہ صبر آزما طویل جدوجہد اور دشمن کو تھکا دینے والی جنگ کے ماہر تھے۔ ان ہی اصولوں اور پالیسیوں کے تحت انہوں نے وقت کی سب سے بڑی طاقت' برطانوی حکومت اور اس کی تمام روایتی اور آزمودہ کار قوتوں کو نہ صرف اپنا موقف تسلیم کرنے پر مجبور کیا بلکہ کانگرس کی تجربہ کار' ذہین اور جہاندیدہ قیادت اور اس کے حلیف نیشنلسٹ مسلمانوں کو تقسیم ہند کے فارمولے پر صاد کرنا پڑا۔

حوالہ جات

۱۔ اس اجلاس میں مسلمانوں کے ہر مکتبہ فکر کے رہنماؤں نے شرکت کی مثلاً محمد علی جناح (بمبئی)' ایم۔ سی۔ چھاگلہ (بمبئی)' آغا محمد صفدر (سیالکوٹ)' عبدالحمید خان (مدراس)' مولوی مظہرالدین (دہلی)' عبدالعزیز (پشاور)' عبدالمجید قریشی (لاہور)' آصف علی (دہلی)' ملک برکت علی (لاہور)' سید حبیب شاہ (لاہور)' پیر تاج الدین (لاہور)' محمد صادق (امرتسر)' فضل حسین (لاہور)' مولانا محمد علی جوہر (رامپور)' سر عبدالقادر' بحوالہ جی الانہ' Pakistan Movement: Historic Documents' لاہور' ۱۹۷۷ء' ص ص ۵۴-۵۶

۲۔ مطالبات درج ذیل تھے :

۱۔ مرکز کی ساخت فیڈرل طرز کی ہو جس میں اختلافات مابقی صوبوں کو حاصل ہو۔

ب۔ طرز انتخابات ہر جگہ جداگانہ ہو۔

ج۔ جو فرقہ کسی صوبے میں آبادی کے لحاظ سے اکثریت رکھتا ہو اس کی اکثریت کو اقلیت یا مساوات میں تبدیل نہ کیا جائے۔

د۔ بہت چھوٹی اقلیتوں کو جو خاص رعایت کے بغیر نمائندگی حاصل نہ کر سکتی ہوں نمائندگی کے معاملے میں خاص رعایت دی جائے اور

ر۔ صوبہ سرحد سمیت مسلمان اکثریت کے خود مختار صوبوں کی تعداد تین کر دی جائے۔ بحوالہ سید نور احمد، مارشل لا سے مارشل لا تک، لاہور، س۔ ن، ص ۴۳۔ مزید دیکھئے، جمیل الدین احمد، 'Muslim League: Historic Documents of the Muslim Freedom Movement لاہور، ۱۹۷۰ء، ص ص ۸۰-۸۱

۳۔ سبجیکٹس کمیٹی کی منظور شدہ قرارداد کی شق نمبر ۴ متنازعہ بنی جو حوالہ نمبر ۲ میں درج ہے۔

۴۔ سید نور احمد، بحوالہ سابقہ، ص ص ۸۶-۸۷

۵۔ تجاویز دہلی کے لئے دیکھئے: جمیل الدین احمد، بحوالہ سابقہ، ص ص ۸۶- ۸۷

۶۔ سائمن کمیشن کی تفصیل کے لئے دیکھئے: E.C.G. Cadogan 'The India We Saw, لندن، ۱۹۶۳ء، ص ۲۳

مزید دیکھئے: لال بہادر، The Muslim League: Its History, Activities and Achievements، لاہور، ۱۹۷۹ء، ص ۱۸۰

۷۔ آل انڈیا مسلم کانفرنس کی تفصیل کے لئے دیکھئے: اشتیاق حسین قریشی، The Struggle for Pakistan، کراچی، ۱۹۶۳ء، ص ص ۵۵-۵۶

مزید دیکھئے: کے۔ کے۔ عزیز، The All Indian Muslim Conference 1928-1935: A Documentary Record، کراچی، ۱۹۷۲ء، ص ص ۲۸- ۲۹

۸۔ کلکتہ کنونشن کی تفصیل کے لئے دیکھئے: چودھری محمد علی، The Emergence of Pakistan، لاہور، ۱۹۷۳ء، ص ۲۲

۹۔ عاشق حسین بٹالوی' اقبال کے آخری دو سال' لاہور' س۔ن' ص ۲۱۸

۱۰۔ آل پارٹیز مسلم کانفرنس کے رہنما اور محمد علی جناح مندرجہ ذیل دو نکات پر متفق ہو گئے۔

۱۔ وہ صاحبان جنہوں نے لیگ سے علیحدہ ہو کر اپنے آپ کو سر محمد شفیع کے زیر صدارت ایک متوازی لیگ کی صورت میں منظم کر لیا تھا اس علیحدہ تنظیم کو ختم کر دیں گے۔

۲۔ متحدہ مسلم لیگ ان تمام مطالبات کو اپنا لے گی جو آل پارٹیز مسلم کانفرنس کی قرارداد میں شامل کئے گئے تھے۔ بحوالہ سید نور احمد' ص ۹

۱۱۔ فضل حسین نے ایک خط گورنر یو۔ پی' سر میلکم ہیلی کو لکھا جس میں جناح کے خلاف کی گئی منصوبہ بندی کو تفصیل سے بیان کیا گیا۔ دیکھئے : فضل حسین (مکتوب بنام)' میلکم ہیلی' محررہ ۲۰ مئی ۱۹۳۰ء' مطبوعہ وحید احمد (.Letters of Mian Fazl-i-Husain, (ed' لاہور' ۱۹۷۶ء' ص ۵۷

۱۲۔ محمد علی جناح فروری ۱۹۳۶ء میں لاہور تشریف لائے۔ وہاں انہوں نے ٹاؤن ہال میں جلسے سے خطاب کرتے ہوئے اپنے خیالات کا اظہار کیا۔ تقریر کی تفصیل کے لئے دیکھئے : سول اینڈ ملٹری گزٹ (انگریزی روزنامہ)' لاہور' ۳ مارچ ۱۹۳۶ء

۱۳۔ سید نور احمد' بحوالہ سابقہ' ص ص ۱۴۱۔۱۴۴

۱۴۔ سٹینلے و لپرٹ' Jinnah of Pakistan' نیویارک' ۱۹۸۴ء' ص ص ۱۳۴۔ ۱۳۵

۱۵۔ نریش کمار جین' Muslims in India, Biographical Dictionary, Vol. I' نیو دہلی' ۱۹۷۹ء' ص ۲۰۰۔

۔ جن اکابرین نے محمد علی جناح سے درخواست کی ان میں سے چند کے نام درج ذیل ہیں :۔ مولانا محمد عرفان (سیکرٹری خلافت کمیٹی)' مولانا سعید احمد دہلوی (سیکرٹری جمعیت العلماء ہند)' راجہ غضنفر علی خان (پنجاب)' احمد یار خان دولتانہ (پنجاب)' نواب زادہ لیاقت علی خان (یو۔پی)' سر سلمان قاسم متھا (بمبئی)' حاجی رشید احمد (دہلی)' سید حسین امام (بہار)' عبدالمجید خان (مدراس) اور سید وزیر حسین' بحوالہ محمد آصف علی رضوی' "Punjab Provincial Muslim League" (غیر مطبوعہ مقابلہ برائے پی ایچ ڈی) اسلامیہ یونیورسٹی بہاول پور' ۱۹۹۲ء' ص ۱۳۲

۱۷۔ جمیل الدین احمد' بحوالہ سابقہ' ص ۱۹۴

۱۸۔ ایس۔ قاسم حسین، Quid-i-Azam's Correspondence with Punjab Muslim League Leaders، لاہور، ۱۹۷۷ء، ص ۱۸۳

۱۹۔ عاشق حسین بٹالوی، بحوالہ سابقہ، ص ص ۳۰۵-۳۰۶

۲۰۔ عظیم حسین، Fazl-i-Husain: A Political Biography، لندن، ۱۹۴۶ء، ص ۳۰۹

۲۱۔ ۱۹۳۷ء کے انتخابات میں برصغیر کے گیارہ صوبوں کے نتائج درج ذیل رہے:

نام صوبہ	کل مسلم نشستوں کی تعداد	لیگ کی حاصل کردہ نشستیں	فی صد
مدراس	۲۸	۱۱	۳۹
بمبئی	۳۹	۲۰	۵۱
بنگال	۱۱۹	۳۷	۳۱
یوپی	۶۴	۲۷	۴۳
پنجاب	۸۶	۱	۱٫۱
آسام	۳۴	۹	۲۶٫۴
صوبہ سرحد	۳۶	–	–
اڑیسہ	۴	–	–
سندھ	۳۶	–	–
بہار	۳۹	–	–
سی پی	۱۴	–	–

Source: Return Showing the Results of Elections in India in 1937, IOR L/I/1/607

مزید دیکھئے: عائشہ جلال، The Sole Spokesman، لندن، ۱۹۸۵ء، ص ۳۲

۲۲۔ عاشق حسین بٹالوی، بحوالہ سابقہ، ص ص ۳۷۷-۳۷۸

۲۳۔ Stephen Oren، 'The Sikhs, Congress and Unionists in

British Punjab 1937-1945, Modern Asian Studies,

Great Britain, March, 1974, p.398.

جبکہ سید نور احمد نے یہ تعداد ۱۰۴ بیان کی ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ (۸۱) مسلمان ممبر اور (۲۳) ہندو زمیندار اور اچھوت ممبر یونینسٹ پارٹی میں شامل ہو گئے۔ سید نور احمد' بحوالہ سابقہ' ص ۱۸۲

۲۴۔ Stephen Oren' بحوالہ سابقہ' ص ۳۹۸

۲۵۔ اکرام علی ملک' A Book of Readings on the History of the Punjab - 1799-1947' لاہور' ۱۹۷۰ء' ص ۴۸۴۔ مزید دیکھئے : عاشق حسین بٹالوی' بحوالہ سابقہ' ص ص ۴۸۷۔ ۴۸۸۔ مزید تفصیل کے لئے دیکھئے : پیسہ اخبار (اردو روزنامہ)' لاہور' ۲۱ر اکتوبر ۱۹۳۷ء۔ مزید تفصیل کے لئے : رفیق افضل' Malik Barkat Ali: His Life and Writings' لاہور' ۱۹۶۹ء' ص ۴۰

۲۶۔ خالد بن سعید' Pakistan the Formative Phase' کراچی' ۱۹۶۰ء' ص ۹۸

۲۷۔ غلام رسول' (مکتوب بنام) محمد علی جناح' محررہ ۸ نومبر ۱۹۳۷ء۔ مطبوعہ عاشق حسین بٹالوی' بحوالہ سابقہ' ص ص ۵۱۵۔ ۵۱۶

۲۸۔ علامہ اقبال' (مکتوب بنام) محمد علی جناح' محررہ ۱۰ نومبر ۱۹۳۷ء مطبوعہ ایضاً' ص ۵۲۱

۲۹۔ ایضاً' ص ۵۲۹۔ مزید دیکھئے : رفیق افضل' بحوالہ سابقہ' ص ۴۳

۳۰۔ ایس۔ ایم۔ اکرام' 'Modern Muslim India and the Birth of Pakistan' لاہور' ۱۹۷۷ء' ص ص ۳۱۸۔ ۳۱۹

۳۱۔ سید نور احمد' بحوالہ سابقہ' ص ص ۱۸۸۔ ۱۸۹

۳۲۔ عاشق حسین بٹالوی' بحوالہ سابقہ' ص ۳۶۹

۳۳۔ نیو ٹائمز (انگریزی روزنامہ)' لاہور' ۲۲ فروری ۱۹۳۷ء

۳۴۔ سید نور احمد' بحوالہ سابقہ' ص ۱۸۹

۳۵۔ سول اینڈ ملٹری گزٹ (انگریزی روزنامہ)' لاہور' مئی ۱۹۳۷ء

۳۶۔ عاشق حسین بٹالوی' بحوالہ سابقہ' ص ۳۵۴۔ ۳۵۵

۳۷- سول اینڈ ملٹری گزٹ، ۲۷ اکتوبر ۱۹۳۷ء

۳۸- یہ سازشیں اس حد تک بڑھ گئیں کہ فضل حسین نے چودھری شہاب الدین کو لکھا کہ لاہور کے اخبارات سے معلوم ہوا ہے کہ سکندر حیات، احمد یار خان دولتانہ اور نریندر ناتھ کے درمیان پھر مشورے ہو رہے ہیں۔ میں حیران ہوں کہ میں نے جو احسانات احمد یار دولتانہ اور سکندر حیات پر کئے ہیں کیا یہ لوگ ان احسانات کے مستحق تھے۔ دیکھئے: عظیم حسین، بحوالہ سابقہ، ص ۳۳۴

۳۹- اکرام علی ملک، بحوالہ سابقہ، ص ۴۸۵۔ مزید دیکھئے: عاشق حسین بٹالوی، بحوالہ سابقہ، ص ۳۲۴

۴۰- سرفراز حسین مرزا، Punjab Muslim Students Federation, An Annotated Documentary Survey 1937-47، لاہور، ۱۹۷۸ء ص ص Lix - Lvi

۴۱- سید نور احمد، بحوالہ سابقہ، ص ۱۸۲

۴۲- پائنیر (انگریزی روزنامہ)، الٰہ آباد، ۲۳ جولائی ۱۹۳۷ء

۴۳- محمد شفیع صابر، تاریخ صوبہ سرحد، پشاور، ۱۹۸۶ء، ص ۹۴۴

۴۴- سول اینڈ ملٹری گزٹ، ۲؍ اپریل ۱۹۳۷ء

۴۵- عاشق حسین بٹالوی، بحوالہ سابقہ، ص ۴۱۰- ۴۱۱

۴۶- A Punjabi (Mian Fazl-i-Husain, "Punjab Politics", Panjab: Past and Present, Vol. v-I، اپریل ۱۹۷۱ء، ص ۱- ۱۳۳

۴۷- عاشق حسین بٹالوی، بحوالہ سابقہ، ص ۳۰۱

۴۸- تینوں وزرائے اعظم کے نام درج ذیل ہیں:

سعد اللہ (آسام)، مولوی اے۔ کے۔ فضل الحق (بنگال)، سر سکندر حیات خان (پنجاب)

۴۹- کوپ لینڈ، Indian Politics، لندن، سن ندارد، ص ۱۸۳

۵۰- محمد آصف علی رضوی، بحوالہ سابقہ، ص ۲۲۸

۵۱- معاہدہ اور اس سے انحراف کی تفصیل کے لئے دیکھئے: محمد آصف علی رضوی، "حسین شہید سہروردی کا متحدہ بنگال کی سیاست میں کردار" مجلّہ تاریخ و ثقافت (ششماہی مجلّہ)، اسلام آباد، اپریل تا

ستمبر ۱۹۹۳ء، ص ۸۳

۵۲- صوبہ سرحد میں سردار اورنگ زیب نے مسلم لیگ کے وزیر اعلیٰ کی حیثیت سے حلف اٹھایا حالانکہ وہ مسلم لیگ کے پلیٹ فارم سے سیاست میں کبھی نہیں آئے تھے۔ اگرچہ وہ ۱۹۴۴ء تک وزیر اعلیٰ رہے لیکن ان کے پاس لیگ کے حوالے سے کوئی ذمہ داری نہیں تھی۔ یہی صورت حال سندھ میں تھی لیکن قائداعظم محمد علی جناح نے یہاں بھی اسی پالیسی کا اعادہ کیا اور معاصر سیاسی قوتوں کے اثرات کو اس طرح استعمال کیا کہ مسلم لیگ کے مقاصد اور پالیسیوں میں کوئی رخنہ نہ پڑا۔ لیکن اگر ان شخصیات میں سے کسی نے مسلم لیگ کے قواعد کی پابندی نہ کی تو اس کے خلاف ضابطے کے مطابق کاروائی عمل میں لائی گئی۔

NATIONAL INSTITUTE OF HISTORICAL AND
CULTURAL RESEARCH

1995

CATALOGUE OF PUBLICATIONS 1995

HOUSE NO. 605, STREET NO. 29, G-10/2, P.O. BOX
NO. 1230, ISLAMABAD (PAKISTAN) TEL : 253656 - 294642.